حفاظتِ حدیث کا تکوینی اہتمام

اسباب و دواعی

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (القرآن الحکیم)

(از افادات قدوۃ المحققین حضرت مولانا حافظ محمد صاحب مدظلہم العالی - شیخ الجامعۃ السلفیہ - لائلپور)

(۲)

۶۔ چھٹی وجہ احادیث کے محفوظ رہنے کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے لوگوں کے دلوں میں شوق پیدا کر دیا کہ وہ صحیح و ضعیف، منکر و موضوع، موقوف و مرفوع میں امتیاز کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ انہوں نے قرآن مجید سے اس قسم کے قواعد استنباط کئے جن کو مدِ نظر رکھنے سے دین میں کوئی غلط چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ یہ اصول ایسے مستحکم ہیں کہ ان کے صحیح استعمال کرنے کے بعد ایک صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت شخص کو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ ان اصول کے تحت صحیح شدہ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان، عمل یا تسلیم کردہ (تقریر) ہیں۔ صرف وہی لوگ یقین سے محروم رہتے ہیں جن پر وہم غالب ہو۔ یا کوئی خاص جذبہ ان پر مسلط ہو کیونکہ ایسے لوگوں کا نہ تو دماغ ہی اتنا بلند ہوتا ہے کہ ان میں قواعد مسلمہ سے یقین پیدا ہو سکے۔ اور نہ ذہن ہی ایسا صاف کہ اوہام و شکوک کے دلدل سے نکل سکیں۔ درحقیقت یہ وہی وہمی طبقہ ہے جسے ہماری کلامی کتابوں میں سوفسطائی کہا جاتا ہے۔ ان کی طبیعتیں ہی اس قسم کی ہوتی ہیں کہ یقینی باتیں بھی ان کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ بلکہ یقینی اور وہمی باتوں میں امتیاز کرنا بھی ان کے بس میں نہیں ہوتا ——— اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگ معذور ہونے کی وجہ سے کسی خطاب کے قابل نہیں ہوتے۔

منقول کو مانے بغیر چارہ نہیں

حفظ احادیث کا مبحث چونکہ نقلیات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہم یہاں تھوڑی سی تفصیل ان قواعد کی کرنا چاہتے ہیں جن پر محدثین کے جرح و تعدیل اور چھان بین کا دارومدار ہے۔

ایک ایسی بات جس کا تعلق نقل سے ہو اگر براہ راست حاصل نہ ہو تو لامحالہ کسی واسطے کے ذریعے حاصل ہوگی۔ اگر وہ واسطہ قابل اعتماد ہے تو اس نقل پر بھی اطمینان ہو جانا چاہیئے جو اس واسطے کے ذریعے پہنچی ہو۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انسانوں کو راہ نمائی کی ضرورت ہے تو اس کے حصول کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) براہ راست وہ راہنمائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جائے اور یقین ہو کہ آپ کو سہو نہیں ہوا۔ اس صورت میں ہم اپنے آپ کو مطمئن پائیں گے (۲) اگر یہ نہیں تو لامحالہ بذریعہ واسطہ ہی وہ بات معلوم ہو سکتی ہے ـــــ وہ واسطہ اگر قابل اطمینان ہے تو اس کی نقل کردہ بات پر بھی یقین ہو جائے گا ـــــ پھر وہ واسطہ ایک ہے یا ایک سے زائد بہرصورت منقول بات پر اطمینان حاصل کرنے کے لیئے اس سلسلے میں متعدد امور[۱] پر غور کرنا ہوگا۔

(۱) نقل کرنے والوں کا حافظہ اچھا ہو (۲) دیانت دار ثقہ ہوں (۳) درمیان سے کوئی واسطہ گم نہ ہو، یعنی ناقل نے منقول عنہ سے سنا ہو (۴) غلطی کی وجہ سے بھی کوئی راوی رہ نہ گیا ہو (۵) یہ کلام جو اس سند کے ساتھ آیا ہو دوسرے معتبر راویوں کے خلاف نہ ہو۔ ان تمام شرائط کا یہ مطلب ہے کہ راوی کے معتبر ہونے کے ساتھ سند کا تسلسل بھی قائم رہے اور متن میں غلطی بھی نہ ہو۔ کیونکہ بعض وقت ایک معتبر آدمی بھی اتفاقیہ غلطی کر جاتا ہے، الغرض جب مذکورہ بالا مراحل طے ہو جائیں اس وقت محدثین اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں۔ اس کے بعد جس حدیث کی صحت پر محدثین متفق ہو جائیں تو اس وقت اس کی صحت قطعی اور یقینی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اہل فن کے اجماع سے غلطی کا احتمال رفع ہو جاتا ہے صحت کے تقیقی ہونے کے بعد وہ حدیث بلحاظ ثبوت اور صداقت مضمون کے لحاظ سے یقینی سمجھی جاتی ہے۔

یہ سب شرائط جن کا اوپر ذکر ہوا اور محدثین[۲] نے حدیث پاک کی صحت جانچنے کے لیئے ان کو لیا ہے قرآن مجید سے ماخوذ ہیں قال اللہ تعالیٰ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (حجرات) یعنی اے ایمان دارو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کسی قوم کو تکلیف پہنچاؤ۔ پھر اپنے کیئے پر پچھتاؤ" ـــــ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کی خبر پر اس لیئے

---

[۱] ملاحظہ ہو الکفایہ فی العلم الروایہ صفحہ ۲۲ و ۲۳ [۲] ملاحظہ ہو مقدمہ صحیح مسلم نیز الکفایہ میں ہے وقد امر اللہ عزوجل بقبول العدل ورد شہادۃ الفاسق الخ صفحہ ۱۰۱

اعتماد نہیں کیا جاتا کہ اس کی خبر سے "علم" حاصل نہیں ہوتا، انسان جہالت ہی میں رہتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص قابل اطمینان خبر دے تو اس پر اعتماد کرنا چاہیئے کیونکہ قابلِ اطمینان شخص کی خبر سے "جہالت" رفع ہو جاتی اور علم حاصل ہو جاتا ہے ۔۔۔ پس محدثین کی تمام شرائط کا مرجع ہی "علم" ہے۔ بنا بریں پہلی شرط حافظہ کا اچھا ہونا قرار دی گئی ہے۔ اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ راوی بھول گیا ہو پس راوی کی بھول کا خطرہ ہونے کے باعث اس سے حصولِ علم میں خلل آ جاتا ہے۔ دوسری شرط دیانت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر خطرہ ہو سکتا ہے کہ راوی نے خبر میں کہیں بددیانتی اور کمی بیشی نہ کی ہو۔

تیسری شرط درمیان سے واسطہ گم نہ ہو کیونکہ واسطہ گم ہونے کی صورت میں کیا پتہ کہ واسطہ فاسق ہے یا عادل۔ اگر فاسق ہوتا تو روایت مشکوک ہو گئی۔

بلکہ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ بظاہر تو کوئی واسطہ گم نہیں کیونکہ جتنے راوی ہیں وہ ایک دوسرے کے شاگرد ہیں، مگر بخصوصہ ایک روایت اس راوی نے اپنے استاذ سے نہیں سنی ہوتی اور کسی غلط فہمی سے واسطہ متروک ہو جاتا ہے۔ چوتھی شرط کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو، اگر ایسا ہو گا تو "علم" حاصل نہیں ہو گا

شروطِ خمسہ کے مبنیٰ ان پانچ شرطوں کا مرجع محسوسات ہیں کیونکہ ان کا تعلق دیکھنے یا سننے سے ہے۔ مثلاً ہم جس شخص سے پڑھتے ہیں۔ اس کے حافظہ، دیانت، امانت کا روزمرہ ملاحظہ کرتے ہیں اگر شاگرد کی نظر غائر اور فراست تامہ ہو، تو اس کو اپنے استاذ کے متعلق رائے قائم کرنے میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر استاذ دیانت دار اور حافظہ میں قابل اطمینان ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ شاگرد کی شہادت اس کے استاد کے متعلق صحیح نہ سمجھی جائے، اگرچہ غلطی کا احتمال ہے مگر مجرد احتمال کی وجہ سے اطمینان میں کوئی کمی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اس پر کوئی دلیل نہ پائی جائے محض عقلی احتمال بے کار ہوتا ہے پھر اگر ایک شہادت کی بجائے متعدد شہادتیں میسر آ جائیں تو یقین تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ مثلاً میں نے حدیث کا کچھ حصہ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی سے اور کچھ آپ کے بھتیجے حضرت مولانا عبدالاول غزنوی سے۔ کچھ حصہ ثانی الذکر کے بھائی جناب مولانا عبدالغفور صاحب سے پڑھا۔ نیز میں نے حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب سے بھی حدیث پڑھی اور سند حاصل کی اور ان سب نے شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے کتبِ احادیث کی قرأت و سند حاصل کی، اور جناب میاں صاحب (مولانا سید محمد نذیر حسین) نے مولانا شاہ محمد اسحاق سے اور انہوں نے جناب شاہ عبدالعزیز سے

اور انہوں نے اپنے والد ماجد جناب شاہ ولی اللہ سے رحمہم اللہ تعالےٰ اجمعین ـــــــ مجھے اور میرے تمام احباب کو جوان بزرگوں سے تلمذ کا واسطہ رکھتے ہیں (ایسے ہی اوپر تک) ان کو مذکورہ بالا بزرگوں کے متعلق یقین ہے کہ یہ سب کے سب امانت، دیانت میں قابل اطمینان تھے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کا حال جنہوں نے احادیث نبویہ کو جمع کیا، ان لوگوں نے جن راویان حدیث پر ثقہ یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے بے سوچے سمجھے نہیں لگایا بلکہ دیکھ کر اور خوب خوب تحقیق کرکے ان کے متعلق کوئی بات کی گئی ہے۔ پھر اگر ان میں اختلاف نہ ہو تو ان کے حکم پر ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ محدثین نے جن کو ثقہ کہا ہے ممکن ہے وہ درحقیقت ایسے نہ ہوں۔

صرف عقلی احتمال ہی ہے کیونکہ جب کسی شخص کے متعلق اپنے معلومات کی بنا پر تقوی، مروت دیانت اور امانت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے ہر طرح کی جانچ پڑتال کرلی جاتی ہے تو پھر یہ سمجھنا کہ" وہ شخص متصنع تھا، دراصل وہ ایسا نہیں" یہ احتمال بے دلیل ہوگا۔ اس لئے اس کو کالعدم قرار دے کر اسی فیصلہ کو قطعی سمجھا جائے گا ـــــــ اور یاد رہے کہ یہ بلا دلیل احتمال قطعی کے اس معنی کے منافی نہیں۔ جس کی نقلیات میں ضرورت ہوتی ہے۔ قال فی قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص۱۵ ان القطع یطلق علی معنیین نفی احتمال الغیر مطلقا و نفی احتمال الغیر احتمالاً ناشاعن دلیل۔ (یعنی" قطعی" کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ دوسری جانب کا بالکل احتمال نہ ہو، دوسرا یہ کہ ایسا احتمال نہ ہو جس کی کوئی دلیل ہو) پس ظاہر کے خلاف ایک بے دلیل احتمال کی وجہ سے شک کرنا بھی وہمی پن ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ صرف عقلی احتمال یقین کے منافی نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ

اِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ	"اگر تمہارے پاس مہاجر عورتیں آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کرلو"
فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ (ممتحنہ)	اگر تم کو علم ہو جائے کہ یہ عورتیں واقعی مومن ہیں، تو پھر ان کو کفار کے حوالے نہ کرو۔

اس آیت کریمہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان جب اپنی طاقت کے مطابق کسی کی جانچ پڑتال

کرلے تو اس کے بعد اس کو علم حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ کیا ہے غیر ممکن ہے کہ باوجود جانچ پڑتال کرنے کے اس کی حالت کا علم نہ ہو یہی وجہ ہے کہ آیت میں اسی حاصل شدہ علم پر حکم کو مترتب فرمادیا گیا ہے

اسی طرح کی آیات پر محدثین کا علم جرح و تعدیل مبنی ہے وہ تحقیق کے لیئے ہر قسم کے ذرائع اپنی طاقت کے مطابق کام میں لانے کے بعد ہی کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کے فیصلوں یا تحقیقی رائے کے خلاف عقلی احتمال پیدا کیئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس قسم کے عقلی احتمالات یقین اور علم کے منافی نہیں ہوتے۔ ہاں اگر وہ احتمال جو اس کے خلاف پایا جاتا ہے کسی دلیل خارجی سے ثابت ہو جاتے تو اس کا اعتبار بھی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک عالم نے ایک راوی کی توثیق کی تو دوسرے نے مزید تحقیق کر کے اسی راوی کے ضعف کا پتہ لگا لیا۔ پہلے کی بات کو غلط قرار دے کر اس پر ایسی جرح کردی جو بادلیل ہو ایسی صورت میں توثیق کے خلاف احتمال کو ثابت سمجھا جائے گا۔ یاد رہے کہ ایسے موقعے پر تین صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ دوسری جانب بالکل احتمال نہ ہو یعنی قطعی اس حکم کی ایک صورت یہ ہے جیسے صحابۂ کرام یا وہ پاک باز گروہ جن کی پاکبازی پر امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ——— امام زہری، امام شعبی، ائمہ اربعہ، اصحاب صحاح ستہ وغیرہم ——— ان کے ثقہ ہونے کے خلاف کوئی احتمال ہے ہی نہیں۔ دوسری یہ کہ وہ لوگ جن کو محدثین نے توثقہ کہا ہے، اگر عقلی احتمال کے طور پر ہو سکتا ہے کہ ان رواۃ پر جرح کا علم ان کو نہ ہوا ہو۔ مگر ان کے مجروح ہونے پر کوئی دلیل نہیں قائم ہو سکی ——— ایک معنی کے لحاظ سے یہ قطعی حکم کے منافی نہیں ——— تیسری یہ کہ کسی راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے میں اختلاف دکھائی دے ایسی صورت میں اگر ثقہ کہنے والے کے خلاف جو احتمال عقلی پایا جاتا ہے وہ دلیل سے ثابت ہو جائے تو مُوثِق کی بات کمزور اور ظنی قرار دی جائے گی لیکن اگر اس پر دلیل کوئی نہ ہو تو وہ توثیق علمی اور یقینی رہے گی۔ کیوں کہ جن لوگوں کے حافظہ و دیانت کی خوب چھان پھٹک کر لی گئی ہو اور ظاہراً حافظہ صحیح ثابت ہو جائے تو اس کو حقیقت کے مطابق تسلیم کرنا ہوگا۔ ورنہ حس کی بھی تکذیب کر کے آدمی وہمی سوفسطائی بن جائے گا۔ اس کی مثال یوں

[1] قال عبد اللہ الحمیدی (شیخ الامام البخاری) فهذا الظاهر الذی یحکم به والباطن ما غاب عنا من وهم المحدث وکذبه ونسیانه وما اشبه ذلك مما یمکن ان یکون ذلك علی خلاف ما قال علم الا بشیء ظهر لنا خلافه یسعنا حینئذ تبوله لنا ظهر منه (الکفایه ص ۲۵)

سمجھئے کہ انسان بعض وقت دیکھنے میں غلطی کرتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس پر یقین ہی نہ کیا جائے ورنہ کوئی شخص محسوسات کا انکار اس وہم کی بنا پر کرے کہ ممکن ہے یہ شئے دراصل ایسی نہ ہو ـــــ تو ایسے شخص کو بیمار قرار دے کر اس پر رحم کھا کر علاج کرایا جائے گا۔

اسی طرح صرف و نحو کے امام بعض مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ اس سے یہ تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر ایک کے تتبع میں نقص ہو سکتا ہے۔ تتبع کا تام ہونا یقینی نہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاں نحویوں کا اتفاق ہو وہاں بھی یہی کہا جائے کہ چونکہ ہر ایک غلطی کر سکتا ہے اس لئے سب ہی غلطی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی وسوسے کی بنا پر بعض نے متواترات تک کو رد کر دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ متواتر تو اکائیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ جب ایک ایک میں غلطی ممکن ہے تو مجموعے میں بھی تو ممکن ہے۔ اس قسم کی بات معتزلہ پارٹی کی بہت اہم شاخ نظامیہ بھی کہتے تھے

النظامية قالوا يجوز ان يجتمع الامة على الخطأ۔ فان الاخبار المتواترة لاحجة فيها لانها يجوز ان يكون وقوعها كذبا انتهى (اصول الدين ص۱۱ للاستاذ ابى منصور عبد القاهر البغدادى المتوفى سنہ ۴۲۹ھ)

دراصل بعض لوگوں کو ظنی اور قطعی میں بھی اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ منطقیوں نے بھی لکھا ہے کہ کبھی وہمی اور بدیہی بات میں بھی اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے مگر ان ہی کو یہ عارضہ لاحق ہوتا ہے جن کا ذہن صاف نہ ہو اور دماغ میں کسی نوع کا فتور ہو۔

الحاصل اگر محدثین کسی راوی کی توثیق یا کسی حدیث کی صحت پر متفق ہو جائیں تو ان کا حکم قطعی سمجھا جائے گا۔ اگر ان میں اختلاف ہو تو اختلاف کی وجہ میں غور کرنا ہوتا ہے۔ اگر جرح واقعی اعتبار کے قابل ہو تو جرح کرنے والے کا قول معتبر ہو گا۔ ورنہ ثقہ کہنے والے کی بات تسلیم کر لی جائے گی مثلاً بعض وقت وجہ جرح اختلافِ عقیدہ ہوتا ہے کیونکہ شروع میں علمائے کرام میں اس بارے میں اختلاف تھا کہ اہل بدعت کی روایت مقبول ہو گی یا نہیں۔ لیکن آخر میں غور و فکر کے بعد یہی بات طے پائی کہ اہل بدعت اگر راست گو ہو اور حافظہ قوی رکھتا ہو تو اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بدعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو۔ اور نہ ہی اس کی یہ روایت بدعت کی مؤید ہو۔ وقال كثير من العلماء تقبل اخبار غير الدعاة من اهل الاهواء

واما الدعاة فلا يحتج باخبارهم وممن ذهب الى ذلك الامام احمد بن محمد بن حنبل ذكره الخطيب فی الکفایة (ص ۱۲۱) کتبهم — یعنی ائمة الحدیث — طافحة بالروایة عن المبتدعة غیر الدعاة وفی الصحیحین کثیر من احادیثهم فی الشواهد والاصول

(مقدمہ ابن الصلاح ص۵۵) نیز دیکھئے فتح المغیث ص۱۴۲۔

بعض جگہ کسی امام نے ایک ثقہ کو بعض حالات سے متاثر ہو کر مجروح ٹھیرایا ہوتا ہے — اور ان حالات کا پتہ لگانا صاحب فن عالم کے لیئے مشکل نہیں — مثلاً امام مالکؒ نے امام المغازی امام محمد بن اسحاق پر جرح کی ہے ۔ مگر یہ جرح بعض امور سے تاثر کی بنا پر ہے ۔ جیسا اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے نفس الامر کے مطابق نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے اس غلطی سے رجوع کیا ۔ اور محمد بن اسحاق کو تحفہ بھیجا ۔ واما مالك فان ذلك كان منه مرة واحدة ثم عاد الى ما يحب (تہذیب ص۴۵ جلد ۹) واعطاه خمسين دينارًا

(امام الکلام صفحہ ۲۰۰)

غرض کہ جب یہ امر ثبوت کو پہنچ جائے کہ فلاں جرح میں جذبات کو دخل ہے ۔ یا مذہبی مخالفت کی بنا پر ہے تو محدثین اس کا اعتبار نہیں کرتے ۔ اصل بات یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل متعلق جرح و تعدیل کی کتابوں سے ایسا سمجھ دار آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے جس نے اساتذہ کی مجالس میں یہ باتیں سنی ہوں یا سمجھی ہوں ۔ بشرطیکہ ذہن بھی صاف رکھتا ہو — مگر جو شخص دینی علوم خصوصاً علم حدیث سے کورا ہو یا کسی استاد کی تعلیم و تفہیم کا مرہون منت نہ ہو ، نہ ہی اس کا ذہن صاف ہو تو وہ بعض ظاہری اختلاف دیکھ کر خواہ مخواہ الجھن میں پڑ جاتا ہے یا دوسروں کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے ۔ ع جب دل ہی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں ۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ — اس کے ساتھ بہت کو رجو سمجھنا نہ چاہیں

بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖ — یا معاند کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو

(حاشیہ از صفحہ ۲۴۸) اہل بدعت کی روایت سے متعلقہ مباحث اصول حدیث کی چھوٹی بڑی کتابوں میں موجود ہیں ۔ مگر خصوصیت سے تدریب الراوی قواعد التحدیث کا یہ مقام پڑھنا چاہیئے ۔ علامہ جمال الدین قاسمی نے اس پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے ۔ کتاب الجرح والتعدیل جو مصر میں شائع ہو چکا ہے — (مصحح)

اِلَّا الفاسقین۔ (البقرہ) جو تحقیق کے عادی ہوں اور معاند نہ ہوں) ہدایت دیتا ہے اور گمراہ غلط کار ہی ہوتے ہیں

یہ ہے مختصر بحث اس معیار صحت کی جسے ان محدثین نے طے کیا ہے۔ جو خود اس مقدس فن کے موجد اور حدیث کے تدوین کنندہ تھے ـــــ لیکن بعض اغراض کے تحت صحت حدیث کے معیاروں میں کچھ اور اضافوں کا بھی تھوڑی ہی مدت سے چرچا ہو گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ صحیح حدیث وہ ہے جو قرآن کے خلاف نہ ہو، یا یہ کہ وہ عقل کے خلاف نہ ہو ـــــ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ مقام حدیث ص ۱۳۳/ج ۱ میں بھی اس بات پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ محدثین نے اپنے استقراء سے ثابت کیا ہے کہ اس قسم کی شرطیں غیر ضروری ہیں۔ اس بنا پر مذکورہ بالا شروط کے پائے جانے کے بعد اب تک کوئی حدیث قرآن مجید یا عقل کے خلاف پائی ہی نہیں گئی۔ اور جن کے متعلق ایسا کہا جاتا ہے۔ وہ سمجھ کا پھیر ہے چنانچہ ہم ان مغالطوں کی حقیقت اس کتاب میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ ـــــ علاوہ ازیں ان شروط کا تعلق تو ثبوت سے ہے اور ثبوت کے لئے سند کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن قرآن یا عقل سے مخالفت یا معارضہ کی بحث کا تعلق دلالت سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دلالت امر دیگر ہے۔ اگر کوئی صحیح حدیث ظاہری مفہوم کے اعتبار سے قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہو تو اس وقت دونوں میں بآسانی تطبیق ہو سکتی ہے۔ یعنی یا تو حدیث کا وہ ظاہری معنے مراد نہیں ہو گا۔ یا قرآن مجید کا ہی وہ مطلب نہیں ہو گا جس مطلب کی بنا پر معارضہ دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن کی کوئی آیت بظاہر دوسری آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہو۔ تو اس وقت یہی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں سے ایک کا مفہوم وہ نہیں جو بظاہر سمجھا جا رہا ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ معاذ اللہ ان میں سے ایک آیت صحیح نہیں ـــــ اس طرح کی چند مثالیں ہم عنقریب ذکر کریں گے ـــــ یہی معاملہ دوسری (اضافہ کی ہوئی) شرط کا ہے کہ "حدیث صحیح وہ ہے جو عقل کے خلاف نہ ہو" حالانکہ ایسی صحیح حدیث کوئی نہیں پائی گئی جو واقعۃً عقل کے خلاف ہو۔ ہاں بعض وقت ایسا ضرور ہوتا ہے کہ کوئی حدیث بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے ـــــ مگر مزید غور کے بعد یہ بات کھل جاتی ہے کہ درحقیقت وہ عقل کے خلاف نہیں، اور یہ بھی معاملہ ایسا ہی ہے کہ

کہ جس طرح قرآن کی بعض آیات بھی بعض لوگوں کی عقلوں کے خلاف ہوتی ہیں مگر حقیقت میں عقل کے خلاف نہیں ہوتیں۔[1]

قرآن مجید سے دو مثالیں | چنانچہ سمجھنے کے لئے ہم اس کی دو مثالیں یہاں ذکر کرتے ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ	اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس
هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ	کی ہدایت عطا کرتے۔ لیکن میں نے
مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ	یہ طے کیا ہے کہ میں ضرور جہنم
الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ	کو سب جنوں اور انسانوں سے
(۳۲ : ۱۳)	بھروں گا۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کا معاملہ انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ نیکی اور بدی کے صدور میں وہ مجبور ہے۔ مگر یہ بات کہ انسان مجبور ہے عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہم فطرۃً محسوس کرتے ہیں کہ ہر انسان نیکی اور بدی میں مختار ہے ـــــ مگر غور کیا جائے تو یہ آیت عقل کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے، کہ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو ہدایت اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ انسان کو مختار بنایا گیا ہے۔ تاکہ اپنی مرضی سے ہدایت اور گمراہی کو اختیار کرلے۔ جو گمراہی کو اختیار کریں گے، ان سے جہنم بھر دی جائے گی ظاہر ہے اگر انسان کو اختیار نہ دیا جاتا تو جہنم میں ڈالنا بے معنی ہوتا۔

---

[1] جن لوگوں کی نظر سے پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش گذری ہے وہ اس کی شہادت دیں گے کہ اس کے چودھویں باب میں قرآن حکیم پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں کہ "قرآن کی فلاں آیت، فلاں آیت کے مخالف ہے اور فلاں فلاں آیت عقل کے مخالف ہے اس لئے یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا" ـــــ بالکل وہی تکنیک منکرین حدیث کی ہے۔ یہ بھی مغالطے یہی دیتے ہیں کہ چونکہ فلاں حدیث قرآن کے مخالف ہے "فلاں عقل اور سائنس اور علومِ جدیدہ کے خلاف ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور وحی الٰہی نہیں ہو سکتی ـــــ حالانکہ وہاں آریوں کی عقل میں فتور تھا اور یہاں پرویزیوں اور ثقافتیوں کی سمجھ میں پھیر ہے تعارض و مخالفت نہ قرآن میں ہے، نہ قرآن و حدیث صحیح میں۔ وللہ الحجۃ البالغہ (رحیق)

(۲) دوسری آیت :-

حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس	یعنی جب ذوالقرنین سورج کے غروب
وجدھا تغرب فی عین	ہونے کی جگہ میں پہنچا تو اس کو کیچڑ والے
حمئۃٍ (۱۸ : ۸۶)	چشمے میں غروب ہوتا پایا۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت سورج کیچڑ والے چشمے میں غائب ہوتا ہے مگر یہ واقعہ کے خلاف ہے اور جو امر واقعہ کے خلاف ہو وہ عقل کے بھی خلاف ہوتا ہے ۔ لیکن درحقیقت یہ آیت عقل کے خلاف نہیں، کیونکہ آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ سورج واقعی کیچڑ میں غائب ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ سورج کو کیچڑ والے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا" یعنی دیکھنے میں ایسا محسوس ہوتا تھا، نہ حقیقت میں ایسا تھا۔

بس یہی معاملہ ان احادیث سے کرنا چاہیئے جو بظاہر عقل کے مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ بغور مطالعہ کے بعد کوئی حدیث عقل کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا حدیث کی صحت کے لیئے اس شرط کا اضافہ غیر ضروری ٹھہرا۔ دھوالمطلوب (باقی)

یہ کتابیں ضرور منگائیے

صحیح بخاری شریف مترجم بین السطور فی پارہ دو روپے
صحیح مسلم شریف مترجم معہ شرح نووی فی جلد -/-/۸
ابن ماجہ شریف اردو کامل -/-/۱۲ روپے
غنیۃ الطالبین کامل اردو دس روپے۔ رسالہ بیس آدمی ختم ہو گیا ہے۔ اب کوئی صاحب طلب نہ فرماویں۔ رسالہ گیارھویں شریف معہ پانچویں شریف چھپ کر آ گیا ہے۔ ایک ایک آنے والے چار ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیئے

مکتبہ شعیب برنس روڈ کراچی ۱

تحریک جماعت اسلامی اور مسلک اہلحدیث

اپنے موضوع پر ایک کامیاب ترین مقالہ ہے جس کا پیش لفظ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مد ظلہ آف گوجرانوالہ کی قلم حقیقت رقم کی رہین منت ہے۔ اور جس میں نزاع مالیر کوٹلہ سے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد کے فیصلے کو بھی نقل کر دیا گیا ہے ۔ مسلک اہل حدیث کی وضاحت اور تحریک جماعت اسلامی سے اس کے بنیادی اختلافات کو معلوم کرنے کے لیئے یہ کتاب بالضرور مطالعہ فرمایئے۔ صفحات معہ ٹائٹل ۱۳۲ - ہدیہ ایک روپیہ چار آنے۔ پاکستانی بھائی مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور سے طلب فرمائیں۔ کہ آپ کے لیئے اس میں آسانی ہے۔

ناظم مکتبہ اشاعت دینیات مومن پورہ بمبئی ۱۱

خاص نمبر مفت

آج ہی ایک خط پر مختلف مقامات کے بیس تعلیم یافتہ اہلحدیث تاجروں یا ملازمت پیشہ بھائیوں کے مکمل پتے لکھ کر ہم سے مسلمان کا خاص نمبر مفت طلب فرمایئے، شرط یہ ہے کہ پتے صحیح اور خاص اہل حدیث حضرات ہی کے ہوں، المشتہر منیجر مسلمان ۔ نمبر ۱۳۶ ۔ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ پنجاب پاک۔